باسمہٖ تعالیٰ

پچھلے درس میں عرض کیا تھا کہ اتصال کے اعتبار سے حدیث یا سنت کی چار تقسیمات ہیں۔

اتصال کا مطلب:

اتصال کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی حدیث کا ''سلسلۂ سند'' اگر مکمل ہو اور سند حضور ﷺ تک پہنچے تو اس کو اتصال کہا جاتا ہے۔

انقطاع کا مطلب:

''انقطاع'' کا مطلب یہ ہے کہ کسی حدیث کی سند میں کوئی ایک راوی یا تمام راوی حذف ہو جائیں۔

ارسال کا مطلب:

پھر اگر کسی حدیث کے تمام راوی حذف کردیئے جائیں تو اس کو ''حدیث مرسل'' کہتے ہیں اور اس عمل کو ''ارسال'' کہتے ہیں اور مرسل مسند کی ضد ہے۔ لہٰذا اگر کوئی راوی پوری سند حذف کردے اور کہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو ''مرسل'' کہیں گے۔ ارسال کے معنی ہیں لٹکنا۔ اگر سند کو ذکر نہ کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حدیث لٹکی ہوئی ہے، اس لئے کہ بیچ میں جو سند کا سہارا ہے وہ موجود نہیں ہے۔

اسناد کا مطلب:

اسناد کے لغوی معنی ہیں: ٹیک لگانا۔ ''أسند یسند إسناداً'' ۔ ''أسند فلان إلیٰ الجدار'' دیوار کے ساتھ فلاں نے ٹیک لگائی۔ ''أسند فلان هذا الحدیث'' اور اصطلاح میں کسی حدیث کی مکمل سند ذکر کرنے کو ''اسناد'' کہتے ہیں، اور مکمل سند کیساتھ ذکر کردہ حدیث کو ''مسند'' کہتے ہیں۔ اس کی جمع مسانید ہے۔ مسانید پر بڑی بڑی کتابیں موجود ہیں۔ اسی وجہ سے تخت کو مسند کہتے ہیں۔ ؎

ہم خاک نشینوں کو نہ مسند پہ بٹھاؤ
یہ عشق کی توہین ہے اعزاز نہیں ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس پر بادشاہ ٹیک لگا کر اس پر ٹھاٹھ باٹھ سے بیٹھتا ہے۔ تو ارسال منقطع کی ایک قسم ہے۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہ گفتگو خبر واحد میں ہو رہی ہے۔ خبر مشہور اور خبر متواتر ہم پڑھ چکے ہیں۔

حدیثِ موقوف کا مطلب:

اگر کوئی صحابی حضور ﷺ کی طرف نسبت کیے بغیر اور حضور ﷺ کا حوالہ دیے بغیر کوئی حدیث سنائے مثلاً حضرت علی نے فرمایا کہ ''کل قرض جر نفعاً فهو ربا'' یعنی ہر وہ قرض جو نفع کھینچ کر لائے تو وہ سود ہے۔ تو ایسی حدیث کو ''موقوف'' کہتے ہیں۔ اور اس میں دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱)......ہوسکتا ہے وہ صحابی کا اپنا کوئی قول ہو۔

۲)......اور دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے یہ بات سنی ہو اگرچہ آپ کا حوالہ نہیں دیا۔

اور اس طرح کی احادیث میں یہ تحقیق کی جاتی ہے کہ وہ صحابہ فقہاء صحابہ میں سے ہے یا نہیں، اگر کسی فقیہ صحابی نے کوئی ایسی حدیث نقل کی ہے جو عقل وقیاس کے خلاف ہو تو اس میں چونکہ یہ قوی احتمال ہے کہ صحابی ایسی بات اپنی طرف سے نقل نہیں کرسکتا ضرور اس نے نبی کریم ﷺ سے وہ حدیث سنی ہوگا۔ مثلاً کسی صحابی نے کہا کہ اتنے سونے پر زکوٰۃ واجب ہے، اتنے چاندی پر زکوٰۃ واجب ہے، یا زکوٰۃ کی یہ شرح ہے، ایک مقدار بتائی تو شریعت کا قاعدہ ہے کہ مقادیر کے اندر رائے نہیں چلتی۔ مقدار رائے سے مقرر نہیں ہوسکتی، تو ضرور انہوں نے حضور ﷺ سے سنی

ہوگی۔تو یہ حدیث ’موقوف‘‘ ہوگی لیکن حدیث مرفوع کے حکم میں ہوگی۔

تو محدثین نے ہر حدیث کو آنکھ بند کر کے قبول نہیں کیا بلکہ اگر کوئی حدیث غیر فقہاء راوی سے مروی ہو اور وہ عقل وقیاس کے خلاف ہو تو اس کو آنکھ بند کر کے قبول نہیں کیا گیا بلکہ اس کے بارے میں مکمل چھان بین اور تحقیق کی گئی۔کیونکہ آپ کو معلوم ہے اسلام کے دشمنوں نے کس کس طرح سازشیں کی ہیں، من گھڑت حدیثیں امت کے سامنے پیش کر کے امت کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔اُس زمانے کے میں زندیق اور منافق قسم کے لوگ احادیث گھڑتے تھے، عجیب عجیب قسم کی احادیث اپنی طرف سے بنالیتے تھے۔اللہ تعالیٰ کو ظاہر ہے کہ دین اسلام کو باقی رکھنا تھا کہ اس لئے ایسے لوگوں کو پیدا فرمایا جنہوں نے ان لوگوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا’’ **لکل فرعون موسیٰ**‘‘۔(ہر فرعون کے لئے ایک موسیٰ، یعنی ہر باطل کے لئے اللہ تعالیٰ نے حق نازل کیا ہے) علامہ ابن حجر عسقلانیؒ، ابن اثیرؒ اور علامہ ذھبیؒ جیسے محدثین پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی پوری زندگیاں احادیث کے پرکھنے میں گزاریں ہیں۔

ایک مثال سے شاید آپ کو حیرت ہوگی۔

حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کا قصہ مشہور ہے کہ جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی مہر نبوت کا بوسہ لیا تھا۔

ایک شخص حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان سے ہے، جیسے بعض لوگ صدیقی ہوتے ہیں کہ ان کا نسب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے، اسی طرح فاروقی وغیرہ۔تو ایک آدمی ہے اس کا نسب حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے، اس کی طرف سے دارالإفتاء میں ایک سوال میرے پاس آیا۔انہوں نے کہا کہ میں نے اس واقعہ کے بارے میں بہت تحقیق کی ہے لیکن مجھے یہ واقعہ احادیث میں نہیں ملا۔میں نے حرمین شریفین کے کتب خانوں میں تحقیق کی مجھے یہ واقعہ نہیں ملا۔

واقعہ کی کچھ مختصر تفصیل:

واقعہ یہ مشہور ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں یہ فرمایا کہ اگر کسی کو مجھ سے کوئی بدلہ لینا ہو تو وہ مجھ سے بدلہ لے لے، تو تمام صحابہ خاموش رہے، آپ ﷺ نے دوسری بار پھر فرمایا، کسی نے کوئی جواب نہیں دیا، جب تیسری بار آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تو حضرت عکاشہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ اگر بار بار یہ جملہ ارشاد نہ فرماتے تو شاید میں نہ کھڑا ہوتا۔ایک دفعہ میں آپ کے ساتھ ایک غزوہ میں شریک تھا، جب فتح حاصل ہوئی اور واپس چلنے لگے تو میری اونٹنی آپ کی اونٹنی کے برابر آگئی تھی تو میں اپنی اونٹنی سے نیچے اتر گیا تھا، اور آپ کے قریب ہو گیا تھا تاکہ میں آپ کی ٹانگوں کا بوسہ لیلوں، تو اس وقت آپ نے مجھے ایک چھڑی ماری تھی، مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے ایسا جان بوجھ کر کیا تھا یا آپ اپنی اونٹنی کو چھڑی مارنا چاہتے تھے، لہٰذا میں آپ سے بدلہ لینا چاہتا ہوں۔تو نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ جا کر حضرت فاطمہ کے گھر سے چھڑی لے آؤ تو حضرت بلال اپنے سر پر ہاتھ رکھے ہوئے مسجد سے باہر آئے، اور ساتھ ساتھ یہ آواز بھی لگاتے جا رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ اپنا قصاص دے رہے ہیں۔حضرت فاطمہؓ کے گھر کا دروازہ بجایا اور چھڑی مانگی، تو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ چھڑی کا کیا کرو گے یہ تو حج کے ایام ہیں، کوئی جنگ کا موقع تو ہے نہیں، تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا آپ اپنے والد محترم کے معاملہ سے بے خبر ہیں، رسول اللہ ﷺ دین کو الواع کہنے والے ہیں اور دنیا کو چھوڑ کر جانے والے ہیں، اپنا بدلہ دے رہے ہیں، تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایسا کون شخص ہے جو رسول اللہ ﷺ سے بدلہ لینا چاہتا ہے؟ اے بلال! تم حسن وحسین دونوں سے کہو کہ وہ دونوں حاضر ہو جائیں اور وہ شخص رسول اللہ ﷺ کے بجائے ان دونوں سے بدلہ لے لے۔حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسجد میں

داخل ہوئے اور چھڑی حضور ﷺ کو دیدی، پھر آپ ﷺ نے وہ چھڑی حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ کی، جب یہ منظر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے دیکھا تو فرمایا: اے عکاشہ! اگر تم کو بدلہ ہی لینا ہے تو ہم حاضر ہیں، ہم سے لیلو، حضور ﷺ سے نہ لو، تو حضور ﷺ نے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو روک دیا، کہ اس کو بدلہ لینے دو، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میری پوری زندگی نبی کے سامنے گذری ہے، میں نہیں چاہتا کہ نبی سے بدلہ لیا جائے، یہ میری کمر اور پیٹ حاضر ہے، تم مجھ سے بدلہ لو، اور سو مرتبہ مارلو، لیکن حضور ﷺ سے بدلہ نہ لو، تو حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہہ بٹھادیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے مرتبے اور آپ کی نیت پہچانتا ہے، اس کو بدلہ لینے دو۔ پھر اس کے بعد حضرت حسن وحسین دونوں کھڑے ہوئے اور کہا کہ ہم تو حضور ﷺ سے ہیں، ہم سے بدلہ لینا گویا کہ حضور ﷺ سے ہی بدلہ لینا ہے، لہٰذا تم ہم دونوں سے بدلہ لے لو، لیکن نبی کریم ﷺ سے بدلہ نہ لو، حضور ﷺ نے ان دونوں کو بھی بٹھادیا، اور پھر فرمایا کہ ''اے عکاشہ! اگر مارنا ہے تو مارلو''۔ تو حضرت عکاشہ نے فرمایا کہ آپ نے مجھے اس حالت میں مارا تھا کہ میرے پیٹ پر سے اس وقت کپڑا ہٹا ہوا تھا، تو یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے کپڑا اٹھایا، اور صحابہ کرام کی چیخیں بلند ہوئیں، اور آپس میں یہ کہنے لگے کہ کیا عکاشہ نبی کریم ﷺ کو مار رہے ہیں؟ تو جب عکاشہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے بطنِ مبارک کی سفیدی دیکھی تو فوراً بوسہ لے لیا، اور یہ کہنے لگے کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ سے کون بدلہ لینا چاہے گا؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یا مارلو یا پھر معاف کردو، تو حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے معاف کیا، قیامت کے دن اللہ مجھے معاف کرے، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص جنت میں میرے ساتھی کو دیکھنا چاہے وہ اس شیخ کو دیکھ لے'' تو صحابہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی کا بوسہ لینے لگے اور یہ کہنے لگے کہ آپ کو مبارک ہو، آپ نے بلند درجات حاصل کرلئے، اور جنت میں نبی کریم ﷺ کی رفاقت کی سعادت حاصل کرلی۔ (معجم طبرانی ۱۰۱/۳)

یہ بڑا مشہور واقعہ ہے، واعظ حضرات رسول اللہ ﷺ سے عشق کے باب میں اس کو بیان کرتے ہیں۔

تو میں نے اس کی تحقیق کی تو ایک دو کتابوں (معجم طبرانی) میں یہ واقعہ ملا لیکن اس کی سند میں ایک راوی ''**عبدالمنعم بن محصن**'' کے نام سے آتے ہیں۔ احادیث کے پرکھنے والے امام احمد بن حنبلؒ، یحییٰ بن معینؒ اور علامہ ذھبی جیسے محدثین نے اس راوی کے بارے میں عجیب تبصرہ کیا ہے کہ یہ ''کذاب'' تھا، صرف ''کاذب'' نہیں بلکہ ''کذاب'' تھا۔ کسی نے اس کو ''کذاب'' کے ساتھ ''اَشر'' کہا ہے، کسی نے ''وضاع'' بھی کہا ہے کہ جو آدمی بہت حدیثیں گھڑتا ہو۔ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ ایک بزرگ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ:

"هو و أبوه متروکان" یعنی نہ اس کا اعتبار ہے نہ اس کے باپ کا اعتبار ہے۔

آپ اندازہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کی کس کس طرح حفاظت فرمائی ہے، کہ ایک ایک راوی کو پرکھا گیا ہے۔ سند میں صرف ایک راوی ایسے نکلے جو معیار پر پورے نہیں اترتے تھے تو محدثین نے اس واقعہ کو باطل قرار دیا۔

''**فهو حديث باطل**'' ہے۔ لہٰذا یہ حدیث باطل ہے، محدثین نے اس حدیث کو باطل قرار دیا۔

تو محدثین نے ہر حدیث کو آنکھ بند کرکے قبول نہیں کیا، بلکہ ہر حدیث کے ایک ایک راوی کی چھان بین کی ہے۔ اور بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھی ہیں۔

فقہ کے اعتبار سے صحابہ کرام کی تقسیم:

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں دو قسم کے صحابۂ کرام ہیں۔ ویسے تو سارے صحابہ کو حضور پاک ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل

تھا، دینی مسائل میں اور احکامِ شرعیہ کے اعتبار سے سب صحابہؓ آگاہ اور باخبر تھے، لیکن اس کے باوجود چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک میں کوئی نہ کوئی استعداد وصلاحیت پیدا فرمائی ہے، کسی میں زیادہ استعداد ہوتی ہے اور کسی میں کم۔ تو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بھی دو طرح کے صحابہ تھے۔

ایک قسم تو وہ تھی کہ جو فقہاء تھے، جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تفقہ کی دولت سے نوازا۔ فقہاء: یہ فقیہ کی جمع ہے۔ یعنی وہ صحابہ جن کو مسائل شرعیہ کی سمجھ تھی اور وہ مسائل جانتے تھے۔

دوسری قسم ان صحابہ کرام کی ہے جو فقیہ نہیں تھے۔

فقہاء صحابہ کون کون تھے؟

فقہاءِ صحابہ کرام میں چاروں خلفاءِ راشدین (۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عمر فارق رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۴) حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ، ہیں۔ یہ خلفاءِ راشدین فقہاء صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اور ''عبادلہ'' یہ ایک اصطلاح ہے۔ یہ ''عبداللہ'' کی جمع ہے اور عبداللہ نام کے کئی صحابہ کرام گذرے ہیں۔ والد کے نام میں فرق ہے اور اپنا نام عبداللہ ہے، جیسے ''عبداللہ بن عمر'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کا نام عبداللہ ہے۔ اسی طرح ''عبداللہ بن مسعود'' ''عبداللہ بن عباس''۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کا نام بھی عبداللہ ہے۔ تو یہ تین عبداللہ مشہور ہیں، ان کو ''عبادلۂ ثلاثہ'' کہا جاتا ہے۔ ''ثلاثہ'' تین کو کہتے ہیں۔

فقہ اور حدیث میں یہ کہا جاتا ہے کہ ''عبادلۂ ثلاثہ کا مسلک یہ ہے''۔ تو اس سے مراد مندرجہ بالا تینوں صحابہ کرام مراد ہوتے ہیں۔ عبادلہ ثلاثہ سے حدیث کا ایک بڑا ذخیرہ مروی ہے۔ چنانچہ اگر آپ چاروں فقہ یعنی حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کو آپ لیں گے تو ان مذاہب میں ان کی روایت کا کافی دخل ہے۔ فقہ حنفی میں زیادہ تر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ احادیث کا بڑا دخل ہے۔

تو خلفاء راشدین اور عبادلہ ثلاثہ فقہاء صحابہ کہلاتے ہیں۔

غیر فقہاء صحابہ:

صحابہ کرام کی ایک جماعت وہ ہے جن سے روایات تو بہت مروی ہیں لیکن وہ فقہاء صحابہ نہیں کہلاتے۔ ان میں سے ایک تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں۔ اب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بہت بڑی تعداد میں احادیث مروی ہیں۔ بہت مشہور صحابی ہیں، آپ اگر کتبِ حدیث کا مطالعہ کریں تو آپ کو بے شمار احادیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ملیں گے۔ لیکن راوی ہونا الگ بات ہے، فقیہ ہونا الگ بات ہے۔ فقہ، اجتہاد اور تفقہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا وہ مقام نہیں ہے جو خلفاءِ راشدین اور عبادلہ کا ہے۔ اگر چہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں خلفاءِ راشدین کی مرویات کی تعداد بہت کم ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو روایات مروی ہیں، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ لیکن فقہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا وہ مقام نہیں ہے۔

تو صحابہ کرام کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) فقیہ (۲) غیر فقیہ

فقہاء صحابہ سے مروی حدیث کا حکم:

لہٰذا اگر کوئی حدیث (خبر واحد) فقہاء صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یعنی خلفاءِ راشدین یا عبادلہ ثلاثہ سے مروی ہو تو وہ حدیث مقبول ہے خواہ وہ عقل وقیاس کے خلاف ہو یا نہیں، بشرطیکہ کوئی اور مانع نہ ہو۔ صرف اس وجہ سے کہ راوی فلاں ہے رجیکٹ نہیں کرتے، اگر چہ

قیاس اور عقل کے خلاف ہو۔

مثال……:اب بہت ساری روایات ایسی ہیں ان سے جو حکم ثابت ہو رہا ہے، وہ عقل کے خلاف ہے، مثلاً اگر کوئی نماز میں قہقہہ لگائے یعنی ہنسے۔ تو یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ نماز فاسد ہوگئی کیونکہ نماز میں ہنسی آئی ہے یا نماز میں بات کی ہے، لیکن کہتے کہ وضو بھی ٹوٹ جائے گا۔ نماز سے باہر خوب ہنسیں لیکن وضو پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، لیکن نماز میں اگر کوئی شخص ہنسے تو نماز میں وضو ٹوٹ جائے گا، حالانکہ عقل و قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وضو نہ ٹوٹے، کیونکہ ہنسنے سے کوئی نجاست تو نہیں نکلی، کوئی گندگی تو نہیں نکلی، اب یہ جو حکم ہے کہ وضو ٹوٹ جائے گا، یہ عقل کے خلاف ہے۔ کیونکہ قہقہہ لگانے سے نماز کے اندر وضو ٹوٹ رہا ہے لیکن نماز سے باہر وضو نہیں ٹوٹ رہا۔ اب یہ حکم ہے خواہ ہماری عقل مانے یا نہ مانے۔

ایک مرتبہ صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑ رہے تھے کہ ایک صحابی جو اندھے تھے، وہ آ رہے تھے، تو کہیں ٹھوکر وغیرہ لگی اور گر پڑے، تو انہیں دیکھ کر صحابہ کرامؓ ہنس پڑے، بعض ویسے ہنسے اور بعض نے قہقہہ لگایا اور چونکہ موقع ایسا تھا، اور انسانی فطرت ہے کہ ایسے موقع پر ہنسی آ جاتی ہے، تو صحابہ کو بھی دورانِ نماز ہنسی آ گئی۔ تو جب نبی کریم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

"من قهقه منكم فى الصلاة فليعد الصلاة و الوضوء أو كما قال عليه السلام"

ترجمہ……تم میں سے جس نے نماز میں قہقہہ لگایا ہے، وہ نماز کا بھی اعادہ کرے اور وضو کا بھی اعادہ کرے۔

تو آپ نے وضو اور نماز کے دہرانے کا حکم دیدیا اور یہ حکم ایسا ہے کہ چونکہ آپ ﷺ نے حکم دیا ہے خواہ عقل کے خلاف ہو یا نہ ہو ہم نے اس پر عمل کرنا ہے۔ اب اس قسم کی بہت ساری احادیث ہیں، اور اس قسم کی احادیث چونکہ فقہاء صحابہ سے مروی ہیں۔ اس لئے ہماری عقل مانے یا نہ مانے، ائمہ اور مجتہدین نے ان کو قبول کیا ہے اور ان سے احکام نکالے ہیں۔

غیر فقہاء صحابہ کرامؓ سے مروی حدیث کا حکم:

اگر کوئی خبر واحد غیر فقہاء صحابہ سے مروی ہو تو اگر وہ حدیث شریعت کے دیگر اصول اور عقل و قیاس کے خلاف ہو تو اس کو ہر حال میں قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ تحقیق کی جائے گی۔ اس کے بعد اس کے مقبول و غیر مقبول ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا۔

مثال……:ایک حدیث ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس کو "حديث تصرية" کہتے ہیں۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ایک آدمی کو کوئی دودھ والی گائے یا بکری بیچنی ہے تو وہ دو تین دن تک اس کا دودھ نہیں نکالتا تا کہ اس کا جو تھن ہے، وہ بھرا ہوا نظر آئے۔ اور منڈی میں جب اس جانور کو لیجائے تو چونکہ دودھ جمع ہوگیا ہے تو گاہک دیکھ کر کہیں کہ یہ بکری تو بہت دودھ والی بکری ہے۔ اور اس طرح کوئی نہ کوئی اس کو خرید لیتا ہے، اور گھر لے آتا ہے، اب ایک دو مرتبہ تو وہ بکری خوب دودھ دیتی ہے لیکن اس کے بعد وہ دودھ کم دینا شروع کر دیتی ہے۔ تو اس قسم کے جانور کو کہتے ہیں "مصرّاة" اور اس عمل کو "تصرية" کہتے ہیں اور یہ عمل دھوکا دینا ہے۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آیا اور دھوکہ لگ گیا۔ تو اس کے پاس دو اختیار (options) ہیں:

۱)…… "ان رضيها أمسكها" یعنی ایک اختیار تو یہ ہے کہ اگر خریدنے والا راضی ہے تو رکھ لے۔ بعض مرتبہ خریدار سوچتا ہے کہ چھوڑ و یار، پتہ نہیں واپس لے گا یا نہیں، خواہ مخواہ لڑائی جھگڑا ہوگا، رکھ لیتا ہو۔

۲)…… "أو ردّها و صاعا من تمر" یعنی فروخت کنندہ کو وہ بکری واپس کرے اور خالی بکری واپس نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ ایک

صاع (چار کلو) کھجور بھی دے۔ اب یہ جو ایک صاع کھجور ہے، یہ شریعت کے جو دوسرے اصول ہیں، ان کے خلاف ہے اور عقل و قیاس کے خلاف ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بکری کا واپس کرنا تو سمجھ میں آتا ہے کہ خریدنے والا فروخت کنندہ کو بکری واپس کرے اور اس سے قیمت وصول کرلے۔ لیکن یہ بات کہ ایک صاع کھجور بھی دے تو یہ بات عقل میں نہیں آتی، اس لئے کہ اس کو ضمان یعنی تاوان کہتے ہیں۔

ضمان اور تاوان کے اصول کو بحث کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ:

معیار (وزن) میں شریعت کا اصول:

شریعت میں معیار یعنی وزن کی چار صورتیں ہیں:

۱)......**وزن**: بعض چیزیں تولی جاتی ہیں، جیسے چاول، گندم وغیرہ، اس سے متعلقہ چیزوں کو ''موزونات'' کہا جاتا ہے۔

۲)......**کیل**: بعض چیزوں کی پیمائش کی جاتی ہے، مثلاً پٹرول وغیرہ۔ اس سے متعلقہ چیزوں کو ''مکیلات'' کہا جاتا ہے۔

۳)......**زرع**: یعنی گز، میٹر اور اسکوائر وغیرہ، یہ زرع میں آتا ہے۔ اس سے متعلقہ چیزوں کو ''مزروعات'' کہا جاتا ہے۔ کپڑا مذروعات میں سے ہے۔

۴)......**عد**: یعنی وہ اشیاء جن کو گنا جاتا ہے، جیسے انڈے وغیرہ۔ اس سے متعلقہ چیزوں کو ''معدودات'' کہا جاتا ہے۔

عددیات کی تفصیل اور اس کی اقسام:

عددیات جیسے جو چیزیں درجنوں کے حساب سے فروخت ہوتی ہیں، مثلاً انڈے، کیلے وغیرہ۔

اس کی پھر دو قسمیں ہیں:

۱)......متقاربہ: یعنی جس کی اکائیاں مختلف نہیں ہوتیں، جیسے انڈے اور کیلے۔ اور اس کی وجہ سے ان کی قیمتوں میں بھی کوئی بڑا فرق نہیں ہوتا۔ تو یہ عددیات کے قبیل سے ہیں اور عددیات اس چیز کو کہتے ہیں جس کی گنتی کی جاسکتی ہو۔

۲)......متفاوتہ: یہ ''تفاوت'' سے نکلا ہے، وہ اشیاء کہ جن کی اکائیاں ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ جیسے تربوز، کینو، مالٹا اور خربوزہ وغیرہ۔ کیونکہ تربوز پانچ کلو کا بھی ہوتا ہے اور تین کلو کا بھی ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے ان کی قیمتوں میں بھی فرق ہوتا ہے۔ تو یہ عددیات متفاوتہ کہلاتے ہیں۔

ایک قسم اور ہے:

اَمثالِ متساویہ: یعنی جس کے افراد میں نیا، پرانا، پھٹا ہوا ہونے کے لحاظ سے بالکل فرق نہ ہو۔ یہ تیسری قسم عد میں داخل نہیں۔

اس کی مثال ہماری کرنسی ہے۔

اوپر ذکر کردہ اقسام میں سے جہاں پر بھی کسی قسم کے افراد کی قیمت میں بہت زیادہ تفاوت نہ ہو تو اس کو ''**ذوات الأمثال**'' یا ''مثلیات'' کہتے ہیں۔

اور اگر کسی قسم کے افراد میں بہت زیادہ تفاوت ہو جس کو نظر انداز نہ کیا جاسکتا ہو تو اس کو ''**ذوات القیم**'' یا ''قیمیات'' کہتے ہیں۔

اسی سے متعلق ایک اہم بحث:

سود یعنی ربا الفضل مندرجہ بالا پہلی دو قسموں یعنی ''موزونات'' اور ''مکیلات'' میں چلتا ہے، آخری دو قسموں یعنی ''مزروعات'' اور ''معدودات'' میں ربا الفضل نہیں چلتا، یہی وجہ ہے کہ ایک گز کپڑا دو گز کپڑے کے عوض فروخت کرنا جائز ہے، ایک سو بیس گز کا پلاٹ ایک سو ساٹھ گز کے پلاٹ کے عوض فروخت کرنا جائز ہے۔

جانور چونکہ ''عد'' میں ہے لہٰذا ایک بکرا دو بکروں کے مقابلہ میں فروخت کرنا جائز ہے۔ لیکن ایک بکرے کا گوشت دو کلو بکرے کے گوشت کے عوض بیچنا موزونات کے قبیل سے ہو جانے کی وجہ سے جائز نہیں۔ لیکن اختلافِ جنس کی وجہ سے ایک کلو گائے کا گوشت دو کلو بکرے کے گوشت کے عوض فروخت کرنا جائز ہے۔ ایک انڈا دو انڈوں کے عوض فروخت کرنا جائز ہے، لیکن ایک کلو گندم دو کلو گندم کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں۔

بعض چیزیں ''موزونات'' کے قبیل سے بھی ہوتی ہیں اور ''معدودات'' کے قبیل سے بھی ہوتی ہیں، مثلاً کینو وغیرہ بعض علاقوں میں درجن کے حساب سے فروخت ہوتے ہیں اور بعض علاقوں میں تول کر بیچے جاتے ہیں۔ تو اس کا حکم یہ ہے کہ جن علاقوں میں تول کر بیچے جاتے ہوں تو وہاں ربا الفضل چلے گا یعنی ایک کلو کینو دو کلو کینو کے عوض جائز نہیں ہونگے اور جہاں درجن کے حساب سے فروخت ہوتے ہوں وہاں ربا الفضل نہیں چلے گا۔ لہٰذا ایک درجن کینو دو درجن کینو کے عوض فروخت کرنا جائز ہوگا، وہاں ربا الفضل نہیں ہوگا۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

ہماری کرنسی کا تعلق ان چاروں اقسام میں سے کس قسم سے ہے؟ کرنسی میں تو ربا جائز ہونا چاہیے کیونکہ یہ جو روپے ہیں یہ بظاہر ''معدودات'' کے قبیل سے معلوم ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایک روپیہ بمقابلہ دو روپے جائز ہونا چاہیے؟

جواب: کرنسی، امثالِ متساویہ میں سے ہے، اور عد میں داخل نہیں ہے۔ یہ بیع الفلوس کے حکم میں ہے۔ اور پرانے زمانے میں "بیع الفلس بالفلسین" (ایک فلس کو دو فلس کے عوض فروخت کرنے) کا مسئلہ تھا، اس میں اختلاف تھا، امام محمدؒ اس کو اسی وجہ سے ناجائز کہتے ہیں، اسی پر فتویٰ ہے۔ اور امثال متساویہ کی مثال صرف کرنسی ہے۔ لہٰذا ایک ملک کی کرنسی کا آپس میں تبادلہ زیادتی کے ساتھ جائز نہیں ہے۔

تو خلاصہ یہ نکلا کہ ربا الفضل صرف پہلی دو قسموں میں ہے۔

ضمان / تاوان میں شریعت کا اصول:

ضمان میں شریعت کا اصول یہ ہے کہ ضمان کی دو قسمیں ہیں:

۱......مثل صوری ۲......مثل معنوی

انسان پر جب کوئی تاوان آتا ہے تو وہ بعض اوقات ''مثل صوری'' کی صورت میں ہوتا ہے اور بعض اوقات ''مثلِ معنوی'' کی صورت میں ہوتا ہے۔

مثل صوری کب واجب ہوتا ہے؟

اگر کوئی شخص کسی کی کوئی چیز چھین لے یا چوری کرے یا بطورِ امانت رکھی ہوئی تھی، تو اس میں خیانت کرے۔ اب ظاہر ہے کہ وہ چیز تو گئی، ختم ہوگئی، اب جب اس کا مالک جب آجائے اور مطالبہ کرے کہ وہ چیز مجھے دیدو۔ تو اگر کسی چیز کی صورۃ کوئی مثل موجود ہے مثلاً گندم،

چاول، جو وغیرہ یعنی کسی نے کوئی چاول کی بوری چوری کی تو اگر وہ چاول کی بوری موجود ہے تو وہی بعینہ بوری واپس کی جائے گی، اب یہاں مثل نہیں دیا جائے گا۔تو یہ یاد رکھیں کہ جب تک اصل چیز موجود ہو تو وہی عین شی واپس ہوگی۔لیکن اگر چور نے چاول کھا لیے، اور وہ چاول اب نہیں رہے تو اب عین نہیں رہا، اب مثل کا نمبر آئے گا، اب ہم دیکھیں گے کہ چاول مثلیات میں سے ہے یا قیمیات میں سے ہے۔تو غور کرنے پر معلوم ہوا کہ چاول مثلیات میں سے ہے، تو اب بازار سے اس کوالٹی کی ایک چاول کی بوری خرید کر اس مالک کو واپس کرنی ہوگی۔اس کو مثل صوری کہتے ہیں۔صورت شکل کو کہتے ہیں۔اب یہاں جو ضمان یا تاوان ہوگا وہ بشکل مثل صوری ہوگا۔

ہاں! اگر مارکیٹ میں اس کا مثل نہیں مل رہا ہو تو ایسی صورت میں پھر قیمت واجب ہوگی۔

مثل معنوی کب واجب ہوتا ہے؟

لیکن اگر کسی آدمی نے کوئی بکرا غصب کر لیا، یا کوئی بھی جانور ہے اور اب ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ بکرا گھر میں کھڑا ہے، اور مالک پہنچ گیا تو ایسی صورت میں وہی بکرا واپس کیا جائے گا۔لیکن اگر اس نے ذبح کر کے کھا لیا تو اب وہ بازار سے بکرا خرید کر نہیں دیگا، بلکہ بکرے کی قیمت مالک کو دیگا۔یہ مثل معنوی ہے۔کیونکہ بکرے اور قیمت میں صورت کے اعتبار سے کوئی مشابہت نہیں ہے اور تمام جانور قیمیات کے قبیل سے ہیں اور مثل معنوی ہیں۔

جانوروں میں مثل معنوی واجب ہونے کی دلیل:

”یا أیها الذین آمنوا لاتقتلوا الصید وأنتم حرم ومن قتله منکم متعمدا فجزاء مثل ما قتل من النعم یحکم به ذوا عدل منکم “(سورہ مائدہ آیت ۹۵)

ترجمہ......اے ایمان والو! تم احرام کی حالت میں شکار کو قتل نہ کرو، اور اگر کسی نے جان بوجھ کر اس کو قتل کر دیا تو اس پر اس مارے ہوئے جانور کے برابر بدلہ ہے مویشی میں سے، جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر آدمی کریں گے۔(تفسیر ابن کثیر بتغییر یسیر)

حج کے دوران حالت احرام میں حرم کے اندر جب کوئی شکار کرتا ہے تو قرآن کریم میں یہ نہیں ہے کہ وہ شخص اس طرح کا جانور خریدے اور صدقہ کرے بلکہ قرآن کریم کہتا ہے کہ جانور کی قیمت لگانے والے ماہرین اس کا فیصلہ کریں کہ اس شکار کی کتنی قیمت ہو سکتی ہے، وہ قیمت کا فیصلہ کریں اور اس کے مطابق وہ قیمت صدقہ کی جائے گی۔تو شریعت میں جانوروں کے قیمیات یعنی مثل معنوی ہونے کی یہ ایک بڑی دلیل ہے۔

نتیجہ......: اب یہ جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مذکورہ مروی حدیث ہے اس میں ”ایک صاع تمر“ جو ضمان ہے یہ کون سا ضمان ہے، مثل صوری ہے یا مثل معنوی، اگر صوری ہے تو دودھ دیدے اور معنوی ہے تو قیمت دیدے لیکن ایک صاع تمر دینا نہ تو مثل صوری ہے اور نہ ہی مثل معنوی تو یہاں قاعدہ منطبق نہیں ہو رہا، کیونکہ یہاں یا تو مثل صوری ہونا چاہیے کہ جتنا دودھ نکالا ہے، وہ دودھ دیدے۔اور مثل معنوی یہ ہے کہ قیمت دیدے کہ پہلے یہ دیکھا جائے کہ اس نے کتنا دودھ استعمال کیا ہے، زیادہ دودھ استعمال کیا ہے تو زیادہ قیمت دے کم کیا ہے تو کم دیدے۔

تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس ”حدیث تصریہ“ کو قبول نہیں کیا گیا، کیونکہ یہ ایک ایسی خبر واحد ہے جو عقل اور شریعت کے ضمان کے اصولوں کے خلاف تھی۔

تو ساری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر خبر واحد کے راوی فقہاء ہوں تو ان کی روایت مقبول ہوگی، خواہ عقل کے خلاف ہو۔جیسے نماز میں

ہنسنے کی صورت میں وضو اور نماز کے اعادہ والی حدیث۔

لیکن اگر خبر واحد کے راوی فقہاء نہ ہوں اور وہ حدیث عقل قیاس کے خلاف ہو تو اس کو ہر حال میں قبول میں نہیں کیا جائے گا بلکہ دیگر اصول وشرائط کے مطابق اس حدیث کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی "حدیثِ تصریہ"۔ -- یہاں تک بات تو اتصال کی تھی۔

سوال...... اگر آج کل کسی کے ساتھ اس طرح کا واقعہ پیش آ جائے اور دھوکہ لگ جائے تو پھر شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب...... اگر آج کل کسی کے ساتھ اس طرح کا واقعہ پیش آ جائے اور دھوکہ لگ جائے تو خریدار کو جانور واپس کرنے کا حق نہیں ہے، البتہ فروخت کنندہ کی رضامندی سے واپس کر دیا جائے تو جائز ہے۔ ہاں! خریدار کو جتنا نقصان ہوا ہے، وہ بائع کے ذمہ واجب الأداء ہے، خریدار بائع سے جتنا نقصان ہوا ہے، وصول کرے گا۔ یعنی اگر کوئی شخص بڑے تھنوں والی ایک بکری خرید کر لایا تھا کہ یہ بکری زیادہ دودھ دے گی، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ بکری تو بہت کم دودھ دیتی ہے، اب دھوکہ لگ گیا۔ اب جس قیمت میں اس نے یہ بکری خریدی تھی، وہ قیمت اور اب اس موجودہ حالت میں اس بکری کی قیمت میں جو فرق ہو، اس کا حساب کر کے جتنا نقصان ہوا ہے، وہ نقصان بائع سے وصول کرلے۔

ارسال اور حدیث مرسل کی تفصیل:

اب اگر کسی حدیث کی سند میں سلسلۂ سند مکمل نہ ہو یا کسی حدیث کی سند نہ ہو تو اس کو "مرسل" کہتے ہیں اور اس عمل کو "ارسال" کہتے ہیں۔

جب کوئی راوی براہِ راست حضور ﷺ سے کوئی حدیث روایت کرے اور پورے سلسلہ سند کو ذکر نہ کرے اس کو ارسال کہا جائے گا اور مروی حدیث کو حدیث مرسل کہیں گے۔

ارسال کی دو قسمیں ہیں: ا...... ظاہر اور پھر اس کی چار قسمیں ہیں:

(ا) مرسل صحابہ۔ (۲) مرسل تابعی۔ (۳) مرسل تبع تابعی۔ (۴) قرون ثلاثہ کے بعد۔

مرسلِ صحابہ اور اس کا حکم:

ا...... مرسلِ صحابہ: اگر کوئی صحابی یہ کہے کہ "میں نے حضور ﷺ سے سنا" تو یہ ارسال نہیں ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں براہِ راست یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے سنی ہے۔ لیکن اگر کہے کہ "حضور ﷺ نے فرمایا" تو یہ ارسال ہے، کیونکہ اس میں احتمال ہے اس بات کا کہ شاید اس نے خود نہ سنی ہو کسی اور نے سنی ہو اور یہ اس کی سنی ہوئی بات کو نقل کر رہا ہو، لیکن چونکہ صحابی نے یقیناً کسی دوسرے صحابی ہی سے سنا ہوگا تو اس کا حکم یہ ہے کہ صحابہ کی مرسل احادیث بالاتفاق مقبول ہیں۔

مرسل تابعین اور تبع تابعین کا حکم:

۲،۳...... مرسل تابعی اور تبع تابعی: تابعی اور تبع تابعی کے مرسلات کو بھی فقہ حنفی میں مقبول کا درجہ حاصل ہے، لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس میں کچھ تفصیل ہے۔

قرون ثلاثہ کے بعد کے مراسیل کا حکم:

۴...... قرون ثلاثہ کے بعد کے مراسیل بعض صورتوں میں مقبول ہیں اور بعض صورتوں میں مقبول نہیں ہیں۔

انتھی بعون اللہ تعالیٰ